لہو رنگ فلسطین

فیصل ظفر

تین نوجوان ایک تباہ شدہ درس گاہ کی تصاویر کھینچتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ”ظالموں نے ہمارا مستقبل داؤ پر لگا دیا ہے، ایک تعلیمی ادارے کو تباہ کر کے انہیں کیا ملا؟“ اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ یہ منظر سوات کا ہے، تو بالکل غلط۔ یہ نوجوان فلسطین کے اُن لاکھوں طلبہ میں سے ہیں، جو اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں بری طرح متاثر ہوئے۔ فلسطین، ایک خطۂ بے مثال ہے، جس کے باسیوں کے قہقہے، مسکراہٹیں، موسموں کی ترنگ، صبح کی چمک اور شام کی جگمگاہٹ اسرائیلی بربریت نے چھین لی ہے اور معصوموں کے خون میں ڈوبی یہ سرزمین، خود ساختہ ”مہذب معاشرے“ خصوصاً مسلم ممالک کے منہ پر ایک تھپڑ سے کم نہیں، جو بے حسی سے فلسطین کے معصوم بچوں، خواتین اور مردوں کو بے دردی سے شہید اور ان کی املاک کو ملبے کا ڈھیر بنتا دیکھ رہے ہیں، ماسوائے زبانی کلامی احتجاج کے، کسی عملی قدم میں حصے دار نہیں۔

رواں سال کے آغاز میں اسرائیل نے غزہ کی سرزمین کو بدترین بربریت کا نشانہ بنایا، مگر اعلان کردہ مقاصد کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکا، نہ تو حماس تنظیم کو کوئی خاص نقصان پہنچا اور نہ ہی وہ اپنی شرائط پر جنگ بندی کر سکا۔ تاہم، عام فلسطینیوں کا قیاس ہے کہ اسرائیلی جنگ حماس کے خلاف نہیں، بلکہ غزہ کے باسیوں کے خلاف تھی، اسرائیل انہیں حماس کی حمایت کی سزا دینا چاہتا تھا۔ درحقیقت اسرائیل کا اصل مقصد فلسطینیوں کے مستقبل کو نشانہ بنانا تھا۔ تعلیمی اداروں اور صنعتی وتجارتی مراکز کو تباہ کر کے فلسطینیوں کی تیسری نسل کو اپنا دست نگر بنانا تھا۔ یہ تو واضح ہے کہ آج وہی قومیں ترقی کی منازل تیزی سے طے کر سکتی ہیں، جن کی معیشت اور تعلیمی نظام مضبوط اور ان میں تیزی سے آگے بڑھنے کی تڑپ ہو۔ تعلیم یافتہ افراد ہی مستقبل میں قوم کی راہیں متعین کرتے ہیں اور غزہ کی نئی نسل کا مقصد بھی آزادی کا حصول ہی ہے۔ اسرائیل اپنے مذموم مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوا، اس کا جائزہ لینے سے پہلے ماضی

فریب کا مشاہدہ ضروری ہے۔ اس طرح اسرائیلی مقاصد کو با آسانی سمجھا جاسکے گا۔

ستمبر 2005ء میں مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کو اسرائیل نے اوسلو معاہدے کے تحت خود مختار (سرحدی گھیراؤ بدستور جاری رہا) تسلیم کرتے ہوئے، اپنی فوجوں کا انخلا مکمل کیا۔ جنوری 2006ء کے انتخابات میں حماس نے عوامی اکثریت کی، چوں کہ حماس کا منشور اور خیالات، اسرائیل کی پروردہ محمود عباس کی جماعت الفتح سے مختلف ہیں، اس لئے پہلے تو امریکا سمیت یورپی یونین نے غزہ کی ترقی کے لئے دی جانے والی امداد بند کردی۔ اسرائیل نے اپنی فوج کے انخلاء ہی سے غزہ کا بحری، بری اور فضائی محاصرہ برقرار رکھا، جس سے غزہ کی معیشت تباہ ہوئی اور وہاں خوراک کا بحران پیدا ہوگیا۔ جنوری 2007ء میں الفتح نے حماس کی حکومت ختم کرنا چاہی اور ناکامی پر مسلح جھڑپیں شروع کردیں، جن میں اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور جون 2007ء سے اب تک علاقے کا کنٹرول حماس کے پاس ہے۔ تاہم مصر اور اسرائیل کی اقتصادی ناکہ بندی کی وجہ سے غزہ بیرونی دنیا سے تقریباً ڈیڑھ سال سے کٹ کر رہ گیا ہے، رہائشیوں کا تمام تر انحصار بیرونی امداد پر ہے۔ غزہ پر اسرائیلی پابندیوں کے دو ماہ بعد اگست 2007ء میں اقوام متحدہ کے امدادی ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق وہاں معاشی بحران پیدا ہوچکا تھا، جس کے بعد وہاں قائم گارمنٹس کی 600 فیکٹریوں، جب کہ تعمیرات کی صنعت سے وابستہ نوے فی صد فیکٹریوں میں کام بند ہوچکا تھا۔

اسی طرح مارچ 2008ء میں عالمی امدادی اداروں آکسفیم، ایمنسٹی انٹرنیشنل اور سیو دی چلڈرن فنڈ نے اپنی رپورٹس میں کہا کہ اسرائیلی ناکہ بندی کے نتیجے میں علاقے کی معیشت تباہ اور صحت کا شعبہ روبہ زوال ہے، جب کہ اس دوران اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی کے نتیجے میں 600 سے زائد فلسطینی جاں بحق بھی ہوئے۔ اسلام آن لائن کے مطابق اسرائیلی ناکہ بندی کے نتیجے میں فلسطینی طالب علم کتابوں، لیبارٹریوں اور بجلی نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم سے دور رہنے پر مجبور ہیں۔ گزشتہ برس پچاس فی صد سے زائد طلبہ بغیر کتابوں کے اسکول جاتے تھے، کیوں کہ حماس حکومت کے پاس کتابوں کی چھپائی کے لئے کاغذ تک نہیں تھا۔ واضح رہے کہ فلسطینیوں میں تعلیم کی شرح کسی بھی مسلم ملک کے مقابلے میں بہت بہتر ہے، غزہ کی 924 فی صد آبادی تعلیم یافتہ ہے، جب کہ 15 سے 24 سال کے نوجوانوں میں یہ شرح 982 فی صد ہے۔ 2005ء میں غزہ کی نام نہاد خود مختاری کے بعد سے اسرائیلی فوج کی گولہ باری سے 269 اسکول جزوی، جب کہ 73 مکمل طور پر تباہ ہوچکے ہیں، جن کی تعمیر نو بھی اسرائیلی پابندیوں کے باعث نہیں کی جاسکی، جب کہ ستمبر 2000ء سے دسمبر 2008ء کے دوران اسرائیلی فوج کی بربریت کے نتیجے میں اسکولوں کے 860 معصوم طلبہ، 199 یونیورسٹی کے طلبہ اور 39 اساتذہ شہید ہوچکے ہیں، اسی دوران ڈھائی ہزار سے زائد طلبہ کو گرفتار بھی کیا گیا۔

برطانوی اخبار گارجین کے مطابق اسرائیل نے غزہ پر حملے سے پہلے 6 ماہ تک مکمل جنگی تیاریاں اور اہداف کا

تعین کیا، 19 نومبر کو کابینہ کے 5 گھنٹے طویل اجلاس میں غزہ پر بم باری کا حتمی فیصلہ کرتے ہوئے، وقت کا تعین وزیر اعظم ایہود المرٹ اور ایہود بارک پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ 26 دسمبر 2008ء یعنی غزہ پر اسرائیلی جارحیت سے ایک روز قبل اسرائیلی وزیر خارجہ زپی لیونی نے مصر کا دورہ کر کے قاہرہ کو پیشگی اعتماد میں لیا، جس پر مصری صدر حسنی مبارک نے مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ 27 دسمبر سے 18 جنوری تک جاری رہنے والی ریاستی دہشت گردی کے ابتدا میں اسرائیل کے لڑاکا طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں نے ایسے حکومتی دفاتر کو نشانہ بنایا۔ جن کی تباہی سے حماس حکومت بری طرح متاثر ہوئی اور حکومتی نظام عملاً مفلوج ہو کر رہ گیا، جو ہلاکتوں میں اضافے کی ایک بڑی وجہ بنا۔ پہلے ہی دن اسرائیلی بم باری کے نتیجے میں 292 فلسطینی شہید ہوئے، جو فلسطین، اسرائیل تنازعے کی 60 سالہ تاریخ میں ایک دن کے اندر ہلاکتوں کی سب سے بڑی تعداد ہے۔ 28 دسمبر کو اسرائیل نے 25 سے زائد فضائی حملے کیئے، جن میں غزہ کے واحد ٹی وی چینل، الاقصیٰ کی عمارت کو بھی نشانہ بنایا، تاکہ دنیا کے سامنے اسرائیلی بربریت کی تصویر کشی نہ کی جاسکے۔ ساتھ ساتھ وزارتِ تعلیم کی عمارت کو بھی نشانہ بنایا گیا (اس عمارت کو کئی بار ہدف بنایا گیا جو کہ غزہ کا تعلیمی نظام تباہ کرنے کی سازش کا ایک حصہ تھا)۔ حملے کے تیسرے دن اسلامک یونیورسٹی کو چھ الگ الگ فضائی حملوں میں نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں عمارت کا بڑا حصہ کھنڈر بن گیا۔ 30 دسمبر کو وزارتِ تعلیم کی خالی عمارت سمیت متعدد وزارتوں کی عمارات کو تربیتی کیمپ قرار دے کر نشانہ بنایا گیا۔ ان چار ابتدائی دنوں میں متعدد اسکول بھی دہشت گردی کے کیمپ قرار پا کر اسرائیلی جارحیت کا نشانہ بنے۔ یکم جنوری 2009 کو ایک بار پھر وزارتِ تعلیم کے دفاتر اسرائیلی جارحیت کا ہدف بنے، جب کہ پارلیمنٹ، وزارتِ انصاف، منی چینجرز کے دفاتر اور بچوں کے اسپتال سمیت متعدد مقامات پر بم باری کی گئی۔ دو جنوری کو حماس کے بیس رہنماؤں کے گھروں کو بم باری کر کے تباہ کر دیا گیا، جب کہ ریڈ کراس کی ایک ایمبولینس کو بھی ہدف بنایا گیا۔ تین جنوری کے دن مقدنہ مسجد میں نمازِ مغرب کے وقت حملہ کر کے چھ بچوں سمیت 13 فلسطینیوں کو شہید کر دیا گیا، جب کہ غزہ میں امریکی حکومت کے زیر اہتمام انٹرنیشنل اسکول کو (جسے اس خطے کا سب سے بہترین اسکول قرار دیا جاتا تھا) حماس کی پناہ گاہ قرار دے کر تباہ کر دیا گیا۔ اسی دن اسرائیل نے زمینی کارروائی کا بھی آغاز کیا۔ چار جنوری کو چالیس مبینہ اسلحہ خانوں کو نشانہ بنایا گیا، جن میں درحقیقت بڑی تعداد خالی اسکولوں کی تھی۔ چھ جنوری کو اسرائیل نے اقوام متحدہ کے زیر انتظام تین اسکولوں پر حملہ کر کے انہیں کھنڈر بنا دیا، جب کہ وہاں پناہ گزین بیالیس سے زائد افراد جاں بحق ہو گئے، جن میں اکثریت بچوں اور خواتین کی تھی۔ سات جنوری کو بھی اسرائیلی جارحیت کا سلسلہ جاری رہا اور مختلف اسکولوں سمیت متعدد عمارتیں تباہ کر دی گئیں۔ دس جنوری کو چرچ میں قائم اسکول سمیت چالیس سے زائد مقامات کو ہدف بنایا گیا۔ گیارہ جنوری کے دن ایک مسجد سمیت کچھ اسکول اور دیگر عمارتیں اسرائیلی بم باری کا نشانہ بن کر خاک کا ڈھیر ہو گئیں۔ بارہ جنوری کو کم از

کم 25 عمارتوں کو تباہ کیا گیا، جس میں موسیقی کا ایک اسکول بھی شامل تھا۔ تیرہ جنوری کے روز ساٹھ سے زائد مقامات اسرائیلی بم باری کا ہدف بنے، جن میں فیکٹریاں، اسکول اور سرکاری دفاتر شامل تھے۔ چودہ جنوری کو بھی ساٹھ سے زائد مقامات کو نشانہ بنایا گیا، جن میں اقوام متحدہ کے اسکول، کچھ اسپتال، ایمبولینسیں اور خوراک کا گودام قابل ذکر ہیں۔ سترہ جنوری کو اسرائیلی کابینہ کی جانب سے نام نہاد جنگ بندی کا اعلان کیا گیا، تاہم اس روز غزہ کو اب تک کی بدترین بم باری کا نشانہ بنایا گیا، جس میں اقوام متحدہ کے اسکول سمیت متعدد اسکولوں اور عمارتوں کو نقصان پہنچایا گیا۔ اٹھارہ جنوری کو نام نہاد جنگ بندی کے باوجود اسرائیلی بم باری کا سلسلہ جاری رہا، جب کہ صہیونی وزیر اعظم ایہود المرٹ نے جنگ بندی کا باضابطہ اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ''تمام مقاصد حاصل کر لئے گئے ہیں اور حماس کے عسکری مراکز سمیت حکومتی اداروں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا ہے۔''

بائیس روزہ سفاکانہ اسرائیلی بربریت کے یہ صرف چند واقعات ہیں، جن میں زیادہ تر جارحیت تعلیمی اداروں کے خلاف تھی، ورنہ بربریت کے ان واقعات کی مکمل تفصیل کے لئے سیکڑوں صفحات کی کتاب بھی کم پڑ سکتی ہے۔ 23 روزہ اسرائیلی جارحیت میں 1400 سے زائد فلسطینیوں نے جامِ شہادت نوش کیا، جب کہ زخمیوں کی تعداد ساڑھے پانچ ہزار سے زائد رہی۔ اسرائیلی جارحیت کے بعد غزہ کی تباہی کا یہ عالم ہے کہ اب وہاں اسکریپ کا کام ہی منافع بخش ہو سکتا ہے، کیوں کہ دیگر تمام کاروبار اور صنعتی مراکز اسرائیل نے اپنے منصوبے کے مطابق ملیامیٹ کر دیئے۔ فلسطینی حکام کے ابتدائی سروے کے مطابق اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں پندرہ سو سے زائد فیکٹریاں اور ورکشاپس مکمل طور پر، جب کہ سیکڑوں جزوی طور پر متاثر ہوئی ہیں۔ 60 فی صد سیمنٹ، ایک تہائی دھات کی ڈھلائی کی ورکشاپس، غزہ کی سب سے بڑی فلور مل، مقامی کولڈ ڈرنک، مکہ کولا کے پلانٹس کو باقاعدہ ہدف بنا کر تباہ کیا گیا۔ صنعتی شعبے کی تباہی اتنی مکمل تھی کہ اقوام متحدہ کے انسانی معاملات کے ادارے کے سربراہ، جان ہومز نے اسے سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ قرار دیا۔ اقوام متحدہ کے مطابق معاشی بحران کے نتیجے میں بے روزگار فلسطینیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے، جب کہ اسرائیلی بربریت سے قبل بھی سرحدی ناکہ بندی کے نتیجے میں لاکھوں افراد اقوام متحدہ کے رحم وکرم پر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ ایک فلسطینی تھنک ٹینک کے مطابق اسرائیلی بم باری کے نتیجے میں بیس ہزار سے زائد عمارتیں منہدم ہوئیں، جب کہ غزہ حکام کے مطابق 48 سرکاری دفاتر، 30 پولیس اسٹیشنز اور 41 مساجد بھی ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔ ایک اور سروے کے مطابق غزہ کی 14 فی صد عمارتیں ناقابل استعمال ہو چکی ہیں۔ آج دس ماہ بعد بھی پچاس ہزار بچوں سمیت نوے ہزار سے زائد معصوم شہری مختلف پناہ گاہوں میں بے کسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اسرائیلی بربریت سے دیگر تمام شعبوں کے ساتھ صحت کا شعبہ بھی بری طرح متاثر ہوا ہے، اس دوران 8 اسپتال اور 25 طبی مراکز تباہ، جب کہ دیگر کو شدید نقصان پہنچا۔ جارحیت کی تباہ کاریوں کے بعد آج 56

طبی مراکز میں سے صرف تین ہی کلینک کھلے ہوئے ہیں۔ یوں غزہ کے باسیوں کو بنیادی طبی سہولتوں سے بھی محروم کر دیا گیا۔ اس صورتِ حال سے زخمیوں کے علاوہ حاملہ خواتین اور بچے سب سے زیادہ متاثر ہوئے، چالیس ہزار حاملہ خواتین کو تناؤ اور ناقص خوراک وطبی سہولتوں کی وجہ سے شدید پیچیدگیوں کا سامنا ہے۔ غزہ میں بجلی پیدا کرنے کا صرف ایک ہی پلانٹ ہے، جو اسرائیلی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ تر بند رہتا ہے، مگر 27 دسمبر کے بعد سے ایندھن نہ ملنے کے سبب اور الیکٹرک سپلائی لائنز خصوصاً مصر سے آنے والی بجلی کی لائن اسرائیلی بم باری سے تباہ ہوگئی، تو وسطی اور شمالی غزہ کے ڈھائی لاکھ رہائشی بجلی سے بیش تر اوقات محروم ہی رہتے ہیں، جب کہ مجموعی طور پر غزہ کی چالیس فی صد آبادی کو بجلی میسر نہیں۔ اس کے علاوہ غزہ کے عوام کو بیش تر گیس اسٹیشن بند ہونے کی وجہ سے کھانے اور سردی کے بچاؤ کے لئے قدرتی گیس سمیت دیگر ایندھن بھی دست یاب نہیں۔ ٹیلی فون اور رابطے کا نظام عملاً ختم ہوگیا ہے، غزہ میں اس وقت 90 فی صد ٹیلی فون اور موبائل فونز سروسز بند پڑی ہیں۔ اسرائیل نے غزہ میں فراہمی آب کے نظام کو بھی خاص طور پر نشانہ بنایا، جنگ بندی کے اتنے عرصے بعد بھی غزہ کی تین لاکھ سے زائد آبادی کو پانی دست یاب نہیں اور پینے کے لئے پانی خریدنا پڑ رہا ہے، جب کہ پانچ لاکھ سے زائد آبادی کو پانی تو دست یاب ہے، لیکن وہ بھی دو یا تین دن بعد صرف چار گھنٹے کے لئے۔ تاہم، جو پانی فراہم کیا جارہا ہے، اسے عالمی ادارۂ صحت نے انسانی صحت کے لئے مضر قرار دیا ہے اور خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اس پانی کے استعمال سے ہیضے اور پیٹ کی دیگر بیماریاں ہو جانے کا امکان ہے۔

اسرائیلی جارحیت سے قبل غزہ میں تقریباً 600 سے زائد سرکاری ونجی اسکول اور دیگر تعلیمی ادارے قائم تھے، جن میں پانچ سے چھ لاکھ طلبہ زیرِ تعلیم تھے۔ اسرائیلی جارحیت نے غزہ کے تعلیمی نظام کو منظم طریقے سے نشانہ بنایا گیا اور کوشش یہ کی گئی کہ اسرائیلی افواج کے نکل جانے کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک فلسطینی بچے تعلیم سے محروم رہیں۔ اسرائیل نے بربریت کے آغاز ہی سے وزارتِ تعلیم کو ہدف بنانا شروع کیا اور متعدد حملے کر کے عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی، جب کہ پورے غزہ کے اسکولوں کو لڑاکا طیاروں، زمینی فوج اور بحریہ نے نشانہ بنا کر پورا تعلیمی نظام تباہ کر دیا۔ ان کارروائیوں میں صرف حماس ہی کے اسکولوں یا مدارس کو نشانہ نہیں بنایا گیا، بلکہ عیسائی مشنری اسکولوں سمیت غزہ کے سب سے بڑے اور بہترین امریکن انٹرنیشنل اسکول کو بھی حماس کا گڑھ قرار دے کر تباہ کر دیا گیا۔ اسی طرح میوزک اسکول اور اسلامک یونیورسٹی کے تو ہر شعبے کو چھ سے زائد حملوں میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت زمین بوس کیا گیا، تاکہ آئندہ یہاں کبھی تعلیم کا آغاز ہی نہ ہوسکے، جب کہ اقوام متحدہ کے چار اسکول مکمل طور پر تیس سے زائد بری طرح متاثر ہوئے۔ واضح رہے کہ جن دنوں اسرائیل نے اپنی سفاکانہ کارروائیوں کا آغاز کی، غزہ کے اسکولوں میں سالانہ امتحانات کی تیاری کی غرض سے تعطیلات تھیں، ان خالی اسکولوں کو ہدف بنانے کا واضح مقصد

فلسطینی نسل کو تعلیم سے محروم کرنا ہی تھا۔ فلسطینی عوام کی یہ ہی سوچ تھی کہ تعلیم انہیں دست یاب محدود وسائل میں سے ایک ہے، جو پر امن تحریک آزادی کو کامیاب بنانے میں مددگار ثابت ہوگی، مگر اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں درس گاہوں کی تباہی کے بعد نوجوان فلسطینیوں کے پاس مزاحمت کا راستہ اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا۔ گزشتہ چند دہائیوں میں غزہ اور مغربی کنارے میں بچوں کو اسکول داخل کرانے کی شرح میں سو فی صد اضافہ ہوا کہ تعلیم فلسطینیوں کی پہچان ہے، یہاں سے متعدد عالمی شہرت یافتہ دانش ور بھی نکلے ہیں، جن میں ایڈورڈ سعید، رشید خالدی اور محمود درویش جیسے نام قابل ذکر ہیں، خود حماس کی قیادت انتہائی قابل اور پڑھی لکھی ہے۔ غزہ کے رہائشیوں کا ماننا ہے کہ مقبوضہ پٹی میں ان کے پاس صنعتیں، معدنیات یا معاشی ترقی کے لئے دیگر وسائل موجود نہیں، اس لئے تعلیم ہی ان کے بچوں کی اصل دولت ہے۔ اب غزہ میں اسکول دوبارہ کھلنا شروع ہوگئے ہیں، اقوام متحدہ کے 200 اسکولوں نے کام شروع کردیا ہے، لیکن جگہ جگہ ملبہ بکھرا ہوا ہے، کلاسوں میں کرسیاں اور میزیں نہیں، جب کہ بجلی بھی غائب ہے۔ 18 سے زائد اسکولوں کو ابھی تک پناہ گزین کیمپوں کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ اساتذہ کہتے ہیں کہ بچے ابھی صدمے اور خوف کی حالت میں ہیں، ان کی ذہنی کیفیت درست کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ مستقبل میں وہ تعلیمی میدان میں پیچھے رہ جائیں گے۔ معصوم فلسطینی بچے ابھی تک جنگی ماحول کے اثرات سے نہیں نکل سکے ہیں۔ دوست، رشتے دار اور عزیزوں کے لہو میں ڈوبے لاشے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہی نہیں ہو پاتے۔ یوں لگتا ہے جیسے سب کچھ ختم ہوگیا ہے۔ درختوں پر چہکتے پرندے، جھرنوں کا گنگناتا پانی، چاند کی ٹھنڈک، سورج کی حرارت، تاروں کی چھاؤں، ساتھ ساتھ انسان اور انسانیت کچھ بھی تو باقی نہیں بچا۔ کیا ان سب باتوں سے اسرائیلی مقاصد واضح نہیں ہوجاتے؟ فلسطینیوں کو مایوس اور دل برداشتہ کرکے وہ انہیں کس راستے پر چلانا چاہتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل نے نام نہاد جنگ بندی کرتے ہوئے اپنے مقاصد کے حصول میں کامیابی کا اعلان کیا تھا۔ تاہم پرعزم فلسطینی اسرائیل کی گزشتہ تمام سازشوں کی طرح یہ سازش بھی ناکام بنادیں گے۔

بخدا وہ میں ہی تھا!

☆......ایک شخص اپنی اہلیہ کے ساتھ عمدہ کھانے پر بیٹھا تھا کہ فقیر نے خیرات کی صدا لگائی، فقیر کی یہ آواز اسے بہت بری لگی، اسے جھڑک کر دروازہ سے دھتکار دیا، بے چارہ فقیر صدا کر کے چلا گیا، گردشِ دوراں دیکھئے کہ یہ شخص خود فقیر ہوگیا، مال ودولت جاتا رہا، بیوی کو طلاق دے دی، اس نے کسی اور سے نکاح کرلیا، یہ دونوں میاں بیوی ایک دن عمدہ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک فقیر نے صدا لگائی، شوہر نے کہا ”یہ کھانا اسے دے آؤ“ وہ کھانا دے کر واپس آئی تو رونے لگی، میاں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو کہنے لگی ”یہ فقیر میرا سابقہ شوہر تھا، اس حالت میں اسے دیکھ کر رونا آیا“ اور سائل کو جھڑکنے کا واقعہ سنایا، اس کا شوہر بولا ”بخدا وہ فقیر میں ہی تھا۔“